تاریخ وسیرت:

بعثت سے ہجرت تک

ڈاکٹر سید جعفر شہیدی

اسلام کا پیغام کیا تھا:

بعثت کے ساتھ آنحضرت اسلام کا پیغام عالم انسانیت میں عام کرنے پر مامور ہوئے۔ اور مندرجہ ذیل وحی نازل ہوئی:

اِقرأ بِاسمِ رَبِّكَ الَّذِی خَلَق، خَلَقَ الاِنسَانَ مِنْ عَلَق اِقْرأ وَ رَبُّكَ الاَكْرَمُ الَّذِیْ عَلَّمَ بِالْقَلَم عَلَّمَ الاِنْسَانَ مَالَم یَعْلَم۔(سورہ علق۔ آیات از ۱ تا ۵)

(پڑھو (اے نبیؐ) اپنے رب کے نام کے ساتھ جس نے پیدا کیا، جمے ہوئے خون کے ایک لوتھڑے سے انسان کی، خلقت کی پڑھو، اور تمہارا رب بڑا کریم ہے جس نے قلم کے ذریعے سے علم سکھایا۔ انسان کو وہ علم دیا جسے وہ نہ جانتا تھا۔)

حضرت محمدؐ اس فرمان کے مطابق اس کام کے لئے مامور کئے گئے تھے کہ آپ لوگوں کو اپنے پروردگار کی جانب آنے کی دعوت دیں، وہ پروردگار جس نے جہاں کی تخلیق کی۔ انسان کی تخلیق کی۔ اور وہ جو نہیں جانتا تھا اسے وہ سکھایا۔ حضرت محمدؐ نے ابتدا میں اپنے رشتہ داروں کو شناخت خدا اور اس کی پرستش کی دعوت دی۔ اس کے بعد مکہ کے عوام اور پھر پورے جزیرۂ عرب نما کو۔ اس کے بعد خداوند تعالیٰ نے فرمایا: وَمَا اَرسَلْنٰكَ اِلّاكَآفَّةً لِلنَّاسِ بَشِیْراً وَّ نَذِیْراً۔ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لاَیَعْلَمُوْن۔ (اور اے نبیؐ ہم نے تم کو تمام انسانوں کے لئے بشیر و نذیر بنا کر بھیجا ہے۔ مگر اکثر لوگ جانتے نہیں ہیں) (سورہ نساء۔ آیہ ۲۸)

بالآخر آنحضرتؐ نے فرمایا کہ میں آخری پیغمبر ہوں۔ میرے بعد کوئی پیغمبر نہیں۔ جب تک

دنیا باقی ہے، میرا دین قائم ہے۔ یہ ادعاء بہت بڑا ہے۔ یعنی اسلام کا عالمی مذہب ہونا اتنا اہم نہیں جتنا اس کا ہمیشہ باقی رہنا۔ اب ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ وہ کون سے اصل یا اصول تھے جن پر آنحضرتؐ نے اپنے دین کی بنیاد قائم کی۔ وہ کون سی بنیاد ہے جو اتنی مدت گذر جانے کے بعد بھی پایدار ہے، اور اس میں کوئی بھی تبدیلی واقع نہیں ہوئی ہے۔ یہ وہ مسئلہ ہے کہ جسے سرسری طور پر نہیں لیا جاسکتا، سب سے پہلے تو ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ آنحضرتؐ کی لوگوں سے کیا توقعات تھیں؟ آپؐ انھیں کس چیز کی دعوت دے رہے تھے؟ اس دعوت کی روح کا دقت نظری سے مطالعہ کیا جانا چاہئے تاکہ ہم یہ جان سکیں کہ کیا یہ دعوت عالمی و جاودانی ہو سکتی تھی؟

آنحضرتؐ کی دعوت کا خلاصہ یہ ہے کہ لوگ خدائے واحد کی عبادت و پرستش کریں۔ انھیں پیغمبرؐ تسلیم کریں۔ روز قیامت پر ایمان لائیں۔ یہ وہ تین اصول ہیں جن کا پیرو کار ہونے کی دعوت دی گئی ہے۔

(۱) خالق کائنات پر ایمان (۲) اس کے رسولؐ پر ایمان اور (۳) روز قیامت پر ایمان۔

آنحضرتؐ نے فرمایا کہ خداوند تعالیٰ نے روز اول سے ہی دین مبین اسلام کو لوگوں کے لئے منتخب کر لیا تھا۔ خداوند تعالیٰ کا ارشاد ہے:

مَنْ آمَنَ بِاللّٰه وَالْيَوْمِ الآخِرِ وَعَمِلَ صَالِحاً فَلَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَرَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَاهُمْ يَحْزَنُوْن.

(جو بھی اللہ اور روز آخرت پر ایمان لائے گا اور نیک عمل کرے گا اس کا اجر اس کے رب کے پاس ہے اور اس کے لئے کسی خوف اور رنج کا موقع نہیں۔ (سورہ بقرہ آیت ۶۲)

اب ہم ان سہ گانہ اصولوں میں سے ہر کا علیحدہ علیحدہ جائزہ لیں گے۔ اصل اصول روز قیامت پر ایمان ہے، یعنی اس امر پر ایمان کہ روز قیامت خداوند تعالیٰ مومنوں کو ان کے عمل کی جزا دے گا اور کافروں کو ان کے کئے کی سزا۔ اور کوئی بھی شخص اپنے کئے کی جزا و سزا پائے بغیر نہ رہے گا۔ امر واقعی یہ ہے کہ جو شخص پہلے دو اصل اصول پر کاربند نہ رہے گا اس کے اجر کی ضمانت یہ اصل سوم ہے۔

روز قیامت پر ایمان یعنی نیک لوگوں کو ان کے کئے کی جزا اور بدکردار لوگوں کو ان کے اعمال

کی سزا۔ اس اصل پر اعتقاد مسلمانوں کو نیک کام کرنے کی ترغیب دیتا ہے اور برے کام انجام دینے سے باز رکھتا ہے۔ چنانچہ اس بنا پر انسان کے لئے لازم ہے کہ وہ رسولؐ خدا کی پیروی کرے اور خداوند تعالیٰ پر ایمان لائے۔

آنحضرتؐ کی پیغمبری پر ایمان لانا ہے۔ اس حقیقت پر ایمان کہ آنحضرتؐ خداوند تعالیٰ کے رسولؐ ہیں۔ اس نے اپنا پیغام دے کر آپ کو بھیجا ہے اور آپؐ کو لوگوں کی ہدایت کے لئے مقرر کیا ہے۔ اس اعتبار سے اہل اصول کی اصطلاح میں نبوت بھی طریقت کی حامل ہے، نہ کہ موضوعیت کی۔ چنانچہ آنحضرتؐ نے لوگوں کو جس طرف آنے کی دعوت دی ہے اس کی حیثیت ایک اصل سے زیادہ نہیں۔ اصل اول و آخر اسلام، اصل ایمان بخدا۔ ایمان برب العالمین۔

قُلْ یٰاَھْلَ الْکِتٰبِ تَعالوا اِلیٰ کَلِمَةٍ سَوَاء بَیْنَنَا وَبَیْنَکُم اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّااللّٰہ وَلَانُشْرِكَ بِهٖ شَیْئًا وَلَا یَتَّخِذَ بَعْضًا اَرْبَابًامِن دُوْنِ اللّٰہ فَاِنْ تَوَلَّوْ فَقُوْلُوا اشْھَدُوا بِاَنَّا مُسْلِمُوْن۔

(اے نبی کہو! اے اہل کتاب آؤ ایک ایسی بات کی طرف جو ہمارے اور تمہارے درمیان یکساں ہے۔ یہ کہ ہم اللہ کے سوا کسی کی بندگی نہ کریں، اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں اور ہم میں سے کوئی اللہ کے سوا کسی کو اپنا رب نہ بنائے۔ (سورہ آل عمران، آیت ۶۴)

اللہ کے سوا کسی شخص اور کسی چیز کو اپنا پروردگار (پالنہار) مت کہو! رب العالمین بس اس کی ذات ہے۔ جو شخص بھی خداوند تعالیٰ کو پروردگار جہاں سمجھے گا اس کے لئے کوئی خوف و خطر نہیں۔ اور یہی اسلامی اعتقاد کی واحد بنیاد اور یہی حضرت محمدؐ کے دین کی حقیقت ہے یعنی رب العالمین پر ایمان۔

رب کا مفہوم:

اب دیکھنا یہ ہے کہ ربوبیت کیا ہے اور رب العالمین یعنی خدائے واحد کے علاوہ کیوں کوئی رب العالمین نہیں ہے۔ سب سے پہلے تو ہمیں یہ جاننا چاہئے کہ "رب" کے معنی کیا ہیں؟ کیوں کہ جب تک ہم الوہیت کو نہ جانیں گے تب تک تو رب پر ہمارا ایمان علم کی رو سے نہ ہوگا۔ لفظ "رب" کے دقیق معنی جاننے کے لئے ضروری ہے کہ عربی زبان کی کتب لغت کی جانب رجوع کریں۔ فن لغت کے مشہور

مؤلف راغب ادیب نے لفظ "رب" کے معنی اس طرح بیان کئے ہیں:

رب کے معنی ہیں ترتیب یعنی کسی چیز کا پیدا کرنا اور اس کو مسلسل بتدریج اس کے کمال تک پہنچا دینا۔ خدا کے علاوہ کوئی رب مطلق نہیں۔ وہ وہی ہے جو موجودات کی مصلحت کا کفیل ہے۔ اس اعتبار سے ربوبیت، ہر موجود کو آہستہ آہستہ تدریجی مراحل طے کرا کے انتہائی کمال کو پہونچاتی ہے۔ اور رب العالمین وہ مطلق قوت فعال ودائی ہے جو ہر لحہ وجود کو میں جس طرح بھی چاہتا ہے موجودات کا اضافہ کرتا رہتا ہے۔ ہر چیز کی تخلیق کرتا ہے۔ اس کی پرورش کا وسیلہ مہیا کرتا ہے، یہاں تک کہ وہ چیز تیزی کے ساتھ حقیقی کمال کی جانب بڑھتی ہے۔

اگر رب کے معنی اسی طرح اور رب العالمین کے معنی یہی ہیں تو ہمیں چاہئے کہ دوبارہ دقیق وعلمی نظر عالم اور اس کے موجودات پر ڈالیں۔ اس علمی جائزے کے بعد جو نتیجہ حاصل ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ ہم جو چیز بھی عالم فطرت میں دیکھتے ہیں وہ ارتقاء کی منازل طے کر رہی ہے۔ ایک حقیر وناچیز کرم کے عظیم الجثہ دوزلی نہنگ ہونے تک ایک نورستہ نہال کے پرانے اور تناور درخت بننے تک اور ایک ذرے کے پہاڑ کی صورت اختیار کرنے تک، سب مسلسل تبدیلی اور تغیر کی حالت میں ہیں۔ لیکن اس تغیر وتبدیلی میں تمام موجودات وہ خواہ جو بھی شکل وہیت اختیار کریں، بدتریج ارتقاء کی منازل طے کر رہے ہیں۔ دنیا اور جو کچھ دنیا میں ہے وہ نہ ایک حال پر قائم ہیں اور ناہی واپس جاتے ہیں۔ فطرت میں نہ واپس جانا ہے اور ناہی توقف۔ جو کچھ ہے وہ پیشرفت وارتقاء ہے۔ اور کوئی بھی موجود تخلیق کے اس قانون سے روگردان نہیں ہو سکتا۔ یہ فطری قانون ہے اور لایزال روایت۔

اَفَغَيْرَ دِيْنِ اللّٰهِ يَبْغُوْنَ وَلَهٗٓ اَسْلَمَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ طَوْعاً وَّكَرْهاً وَّاِلَيْهِ يُرْجَعُوْنَ۔

(تو کیا یہ لوگ خدا کے دین کے سوا (کوئی اور دین) ڈھونڈتے ہیں؟ حالانکہ جو (فرشتے) آسمانوں میں ہیں اور جو (لوگ) زمین میں ہیں سب نے خوشی خوشی یا زبردستی اس کے سامنے اپنی گردنیں ڈال دی ہیں اور آخر سب کو اسی کی طرف لوٹ کر جائیں گے]

(سورہ آل عمران، آیہ ۸۳)

یہ ہے اسلام کی حقیقت اور یہ ہے اس دین کی اعتقادی اصل دنیا (جس کی تبلیغ کے لئے حضرت محمدؐ کو مقرر و مامور کیا گیا۔ یعنی رب العالمین پر ایمان کہ خدا واحد ہے اور عالم کا پالنہار ہے۔ اس پر ایمان کہ دنیا اس فطری قانون کے حکم کی پیروی کرتے ہوئے جو اس میں پنہاں ہے، ہمیشہ پیشرفت ہی کرتی رہتی ہے اور لوگوں کے لئے اس کے علاوہ کوئی چارہ نہیں کہ وہ اس قانون کو قبول کرلیں۔ چنانچہ ا س اصل کا خلاصہ یہ ہے کہ عالم کی پیشرفت پر اعتقاد ہی اسلام ہے۔ یہ پیشرفت ہر حال میں جاری ہے اور توقف وار تجاع کے ساتھ اس کی جنگ ہر وقت ہوتی رہتی ہے۔

سُنَّةَ اللّٰه الَّتِي قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلُ وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰه تَبْدِيْلاً۔

(یہی خدا کی سنت ہے جو پہلے ہی سے چلی آتی ہے۔ اور تم خدا کی سنت کو بدلتے نہ دیکھو گے)(سورہ فتح، آیہ ۲۳)

ایسا اعتقاد فطرت کی بنیاد پر ہے اور ہر معتدل فطرت اس کی گواہ ہے:

فِطْرَتَ اللّٰه الَّتِي فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا لاَتَبْدِيْلَ لِخَلْقِ اللّٰه ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَالنَّاسِ لاَيَعْلَمُوْن۔

(یہی فطرت خدا ہے جس پر اس نے لوگوں کو پیدا کیا ہے۔ خدا کی (قدرت) خلقت میں (تغیر) تبدیلی نہیں ہوتی۔ یہی مضبوط (اور بالکل سیدھا) دین ہے۔ مگر اکثر لوگ [اسے] نہیں جانتے ہیں)(سورہ روم، آیہ ۳۰)

دین اسلام کی عمومیت:

ایسی فطری اور ثابت الاصل حقیقت پر اعتقاد ایک فطری و ضروری امر ہے۔ چنانچہ، جب تک دنیا باقی ہے یہ اصل دگرگوں نہ ہوگی کیوں کہ وہ راستہ جو دنیا کے سامنے ہے وہ ارتقاء کا راستہ ہے جہاں سے واپس جانے کا امکان نہیں۔ یہ ہے وہ اسلام جسے قرآن نے انسان کے آغاز و انجام کا دین کہا ہے۔ اور تمام پیغمبرؑوں کا فرض ہے کہ ان لوگوں کو جو اپنی فطرت سے منحرف ہو گئے ہیں اور انہوں نے کوئی اور عقیدہ اختیار کر لیا ہے انھیں واپس فطری دین کی جانب لائیں۔ اور یہ تو ظاہر ہی ہے کہ جب

اسلام ایسا ہے تو یہ بھی امر مسلم ہے کہ یہ دین کسی نسل، مقام، موسم ہی سے متعلق نہیں۔ بلکہ یہ ہر جگہ اور ہر حال ہی سب کے لئے ہے۔

یہ دین نہ عربوں کا ہے اور نا ہی اہل عجم کا۔ بلکہ یہ عربوں کے لئے بھی ہے اور عجمی کے لئے بھی۔ یہ نہ اول زماں کے لئے مخصوص ہے اور نہ آخر زمان کے لئے کیونکہ یہ اول زمان کے لئے بھی ہے اور آخر زماں کے لئے بھی۔ چنانچہ یہی وجہ ہے کہ قرآن میں جیسا کہ ہم دیکھتے ہیں جہاں کہیں لوگوں سے خطاب کیا گیا ہے ان کے لئے ایسے الفاظ استعمال کئے گئے ہیں جن میں تمام دنیا کے لوگ شامل ہیں۔ اور یہ کسی خاص قوم وملت، کسی معین نسل یا کسی محدود زمانے کے لئے مخصوص نہیں۔

يَا اَيُّهَا الْاِنسَانُ اِنَّكَ كَادِحٌ اِلىٰ رَبِّكَ كَدْحاً فَمُلٰقِيْهِ

(اے انسان تو اپنے پروردگار کی حضور کی کوشش کرتا ہے تو تو (ایک نہ ایک دن) اس کے سامنے حاضر ہوگا) (سورہ انشقاق، آیہ ٦)

يَا بَنِي آدَمَ لاَيَفْتِنَنَّكُمُ الشَّيْطَانُ كَمَا اَخْرَجَ اَبَوَيْكُمْ مِنَ الْجَنَّة

(اے اولاد آدم (ہوشیار رہو) کہیں تمہیں شیطان بہکانہ دے، جس طرح اس نے تمہارے باپ ماں کو (آدم وحوا) کو بہشت سے نکلوایا۔) (سورہ اعراف، آیہ ٢٦)

يَاأَيُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِنْ ذَكَرٍ وَّاُنْثیٰ وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوْا اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ)

(لوگو! ہم نے تم سب کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا۔ اور ہم ہی نے تمہارے قبیلے اور برادریاں بنائیں تاکہ تم ایک دوسرے کو پہچان سکو۔ اس میں شک نہیں کہ خدا کے نزدیک تم سب میں بڑا عزت دار وہی ہے جو بڑا پرہیزگار ہو) (سورہ الحجرات، آیہ ١٣)

دعوت اور اور پہلے مسلمان:

حضرت خدیجہ وہ پہلی خاتون اور پہلی شخص تھیں جو آنحضرتؐ پر ایمان لائیں۔ وہ ایک صاحب ایمان عورت، وفادار شریک حیات اور شوہر کے لئے جانثار زوجہ تھیں۔ دشمن جب بھی

آنحضرتؐ کو ایذاو آزار پہنچاتے وہ اپنے شوہر کی دلجوئی کرتیں۔اسی لئے اس امر میں کوئی تعجب نہیں کہ ان کی وفات کے کافی عرصے کے بعد بھی جب کبھی آنحضرتؐ کو ان کی یاد آجاتی تو آپ افسردہ و غمگین ہو جاتے۔اس سے قبل کہ آنحضرتؐ پر وحی نازل ہو حضرت علیؑ آنحضرتؐ کے گھر میں ہی رہا کرتے تھے کیوں کہ آپؑ کی تربیت اور کفالت کی ذمہ داری آنحضرتؐ نے لے رکھی تھی۔ آپ حضرت خدیجہ کے ساتھ وہ پہلے شخص ہیں جنھوں نے اسلام کی نصرت کا اعلان کیا۔ آہستہ آہستہ لوگ اس دین اسلام کی طرف راغب ہونے لگے۔اگرچہ مورخین میں اس امر پر اختلاف ہے کہ کون اشخاص پہلے مشرف باسلام ہوا اور کون بعد میں لیکن بہر صورت زید بن حارثہ،ابو بکر بن ابی قحافہ،عثمان بن عفان،زبیر بن العوام،عبدالرحمٰن بن عوف،سعد بن ابی وقاص اور طلحہ بن عبیداللہ کا شمار ان افراد میں کیا جاتا ہے جو رسالت کے ابتدائی ایام میں مشرف بدین اسلام ہوئے۔ آنحضرتؐ کی یہ دعوت حق ابتدائی تین سال کے دوران پوشیدہ رہی۔ مسلمان بھی عام لوگوں سے چھپ کر فریضہ نماز ادا کرتے۔ایک دن سعد بن ابی وقاص چند لوگوں کے ساتھ شہر مکہ کے دروں میں سے ایک میں نماز پڑھ رہے تھے۔ مشرکین نے انھیں نماز پڑھتے دیکھ لیا اور اس پر انہوں نے اعتراض کیا۔نوبت یہاں تک پہنچی کہ وہ لوگ لڑائی جھگڑے پر اتر آئے۔ سعد نے اونٹ کے جبڑے کی ہڈی مشرکین میں سے ایک کے ایسی کس کر ماری کہ اس کا سر پھٹ گیا اور خون بہنے لگا۔

دعوت ذوالعشیرہ:

دین کی اعلانیہ دعوت کا حکم خداوند تعالیٰ نے اپنے نبیؐ کو یہ کہہ کر دیا:

فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ وَاَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِيْنَ.

(پس اے نبی!جس چیز کا تمہیں حکم دیا جارہا ہے اسے پکار کے کہہ دو اور شرک کرنے والوں کی ذرا پروانہ کرو)(سورہ حجر،آیہ ۹۴)

اس حکم کے مطابق آنحضرتؐ اس کام پر مامور کئے گئے کہ اعلانیہ لوگوں کو اپنے دین کی دعوت دیں۔اور سب سے پہلے اپنے قرابت داروں کو مدعو کریں۔

وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْن

(اے(رسولؐ) اپنے قریب ترین رشتہ داروں کوڈراؤ) (سورہ الشعراء، آیہ ۲۱۴)

اس حکم کو جاری کرنے کے سلسلے میں ابن عباس نے سعید بن جبیر کے حوالے سے جو روایت بیان کی ہے وہ طبری کی روایت سے مختلف ہے۔ سعید بن جبر نے ابن عباس کے قول کو اس طرح بیان کی ہے:

”رسول خدا کوہ صفا پر تشریف لے گئے اور لوگوں کو اپنے قریب بلایا۔ قریش آپ کے گرد جمع ہوگئے۔ آنحضرتؐ نے فرمایا۔ اے لوگو! اگر میں یہ کہوں کہ دشمن صبح یا شام کے وقت تمہارے سروں پر پہنچا ہی چاہتا ہے تو کیا تم لوگ میری بات پر یقین کرلو گے ؟ انہوں نے کہا ”ہاں۔“ اس کے بعد آپؐ نے فرمایا کہ میں تمھیں سخت عذاب کا خوف دلا رہا ہوں۔ اس پر ابی لہب کہنے لگا تبالک کیا تم نے ہمیں اسی لئے بلایا ہے ؟) چنانچہ سورہ اللھب اس بے ادب شخص کی مذمت اور اسے تنبیہ کرنے کی غرض سے نازل ہوا۔“

دوسری روایت کے مطابق طبری نے عبد اللہ بن حارث کے حوالے سے ابن عباس کا قول اس طرح نقل کیا ہے کہ حضرت علیؑ نے اس طرح فرمایا تھا:

”جب آیت ”اَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْن “ نازل ہوئی تو رسولؐ خدا نے اسے پڑھا اور کہا کہ پروردگار نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں اپنے قرابت داروں کو ڈراؤں۔ یہ کام اگر چہ میرے لئے دشوار تھا۔ یہاں تک کہ حضرت جبرئیل نے کہا کہ اگر تم ایسا نہ کروگے تو تم پر پروردگار کا عذاب نازل ہوگا۔ انھوں نے ارشاد فرمایا کہ اب تم کھانا تیار کرو اور عبد المطلب کی اولاد کو بلاؤ تاکہ خداوند تعالیٰ کا حکم میں ان تک پہنچا سکوں۔ میں نے ایسا ہی کیا۔ لوگ اس دعوت میں شریک ہوئے، ان کی تعداد چالیس ہوگئی۔ ہو سکتا ہے کہ ایک کم یا زیادہ ہو۔ اس میں حضرت ابو طالب، حمزہ اور ابو لہب بھی شریک تھے۔ جب انھوں نے سیر ہو کر کھانا کھالیا اور ابو لہب نے دیکھا کہ وہ مختصر کھانا سب کے لئے کافی ہو گیا اور اس میں سے کچھ بچا بھی نہیں۔ تو اس نے کہا کہ لگتا ہے کہ محمدؐ کوئی جادوگر ہے۔ اس مجلس میں آنحضرتؐ اپنی دعوت کا اعلان نہ کر سکے۔ آپ نے دوسرے روز پھر انھیں آنے کی دعوت دی اور فرمایا: ”اے فرزندان عبد المطلب! اہل عرب میں سے کوئی بھی شخص اس چیز سے بہتر نہیں لاسکا ہے جو میں

تمہارے لئے لے کر آیا ہوں۔ میں تمہارے لئے دنیا اور آخرت کی جزا لے کر آیا ہوں۔ خداوند تعالیٰ نے مجھے حکم دیا ہے کہ تمہیں اس کی طرف آنے کی دعوت دوں۔ تم میں سے کوئی ایسا شخص ہے جو میری مدد کرے تاکہ وہ میرا بھائی، میرا وصی اور میرا خلیفہ ہونے کا مستحق ہو سکے۔" کسی نے بھی جواب نہ دیا۔ میں عمر کے اعتبار سے ان میں سب سے چھوٹا تھا۔ میں نے کہا یا رسول اللہ! میں آپ کی مدد کروں گا۔ آنحضرتؐ نے میری پشت گردن پر دست مبارک رکھا اور فرمایا کہ تمہارے درمیان یہ ہے میرا بھائی، میرا وصی اور میرا خلیفہ۔ اس کی بات سنو اور اسے قبول کرو۔"

قریش نے اسلام کی مخالفت کیوں کی:

ابن ہشام اور دیگر مورخین نے لکھا ہے کہ ابتداء میں جب آنحضرتؐ نے لوگوں کو خدا کی طرف آنے کی دعوت دی تو قریش نے آپؐ پر اعتراض نہ کیا۔ لیکن جب ان کے دیوی دیوتاؤں کے نام نفرت سے لیے گئے تو وہ آپ کے ساتھ دشمنی میں متحد ہو گئے۔ ان مورخین کی بات دل کو لگتی ہے۔ خدا کی طرف بلانے کی جب لوگوں کو دعوت دی جا رہی تھی تو اس سے قریش سردار پریشان نہ تھے۔ کیوں کہ انھیں اپنے کاروبار تجارت، سود خوری یا اس منفعت کے علاوہ کسی چیز سے سروکار نہ تھا جو انھیں ان کاموں سے حاصل ہوتی تھی۔ دین ومذھب کا ان کی نظروں میں کوئی معنوی مفہوم نہ تھا۔ سود ومنفعت کے جو ہزاروں وسائل ہو سکتے تھے ان ہی میں سے ان کے لئے ایک مذہب بھی تھا۔ جب تک اس منافع کو کوئی آنچ نہیں آئی تھی اس بات کی ضرورت محسوس نہ کرتے تھے کہ آنحضرتؐ اور بنی ہاشم کو تکالیف پہنچائیں۔ مسلما، ابولہب، ابوجہل اور ولید بن مغیرہ جیسے لوگ اتنی عقل تو رکھتے ہی ہوں گے اور یہ جانتے ہی ہوں گے کہ یہ لکڑی اور پتھر کے بت جنہیں ان کے اپنے ہی کاریگروں نے بنایا ہے کوئی نفع یا نقصان نہیں پہنچا سکتے۔ لیکن وہ بتوں اور بتخانے کو اس وجہ سے قایم رکھنا چاہتے تھے کہ لوگ ان کی یاد میں لگے رہیں۔

بت خانے کا بند ہو جانا تجارت کے اہم مراکز کے بند ہو جانے کے عین مترادف تھا۔ کیوں کہ انھوں نے سالہا سال سے لوگوں کے افکار وخیالات کو توہمات اور خرافات کی زنجیروں میں قید

کر رکھا تھا۔اوران کے دل ودماغ کے جتنے بھی دریچے ہو سکتے تھے انھیں انھوں نے محکم طور پر بند کر دیا تھا کیونکہ منطقی طور پر یہ سود پرست اقلیت چاہتی تھی کہ عوام میں سے اکثریت کے چشم وگوش کو بند رکھ کر انھیں اپنا مطیع وفرمانبردار بنائے رہیں۔ان کا فائدہ اس امر میں ہی مضمر تھا کہ لوگ گمراہ اور ستم کشی کا شکار ہو کر زندگی بسر کریں تاکہ ابولہب، ابوجہل اور ولید جیسے سردارن قریش خاطر جمعی کے ساتھ سود خوری کے کاروبار اور مال اندوزی کے سلسلے کو جاری رکھ سکیں۔انھیں یہ خوف لاحق تھا کہ اگر کہیں محمدؐ درمیان میں آگئے اور انھوں نے ان کے کان میں یہ آیت پڑھ دی،

يَتّبِعُوْنَ الرّسُول النّبِي الأُمّي الّذِي يَجِدُونَه مَكْتُوباً عِنْدَ هُم فِي التّوْراة وَالانْجِيْل يَأمُرُهُم بِالمَعْرُوف وَيَنْهم عَنِ الْمُنْكَر وَيُحِلُّ لَهُمُ الطّيِّبَاتُ وَ يُحَرِّمُ عَلَيْهِم الْخَبئث وَيَضَعُ عَنْهُمْ اِصْرَهُم وَ الاَغْلل الّتِي كَانَتْ عَلَيْهِم فَالّذِيْن آمَنُوا به وَ عَزرُوه وَنَصَرُوه وَاتّبَعُوا النُّورَ الّذِي انزل مَعَه اولئك هُمُ الْمُفْلِحُون۔

(پس آج یہ رحمت ان لوگوں کا حصہ ہے (جو اس پیغمبرؐ، نبیؐ امی کی پیروی اختیار کریں۔جس کا ذکر انھیں اپنے ہاں توراۃ اور انجیل میں لکھا ہوا ملتا ہے۔وہ انھیں نیکی کا حکم دیتا ہے، بدی سے روکتا ہے۔ان کے لئے پاک چیزیں حلال اور ناپاک چیزیں حرام کرتا ہے اور ان پر سے وہ بوجھ اتارتا ہے جو ان پر لدے ہوئے تھے اور وہ بندشیں کھولتا ہے جن میں وہ جکڑے ہوئے تھے۔لہٰذا جو لوگ ایمان لائیں اور اس کی حمایت ونصرت کریں اور اس روشنی کی پیروی اختیار کریں جو اس کے ساتھ نازل کی گئی ہے، تو وہی لوگ فلاح پانے والے ہیں۔"(سورہ اعراف، آیہ ۱۵۷)

تواگر یہ زنجیر انکی عقل کے ہاتھ پیروں سے کھل جائے گی اور اگر وہ یہ جان لیں گے کہ خدا کاہنوں، راہبوں، بت خانے کے مجاورں اور دین کے ٹھیکے داروں کی اجارہ داری نہیں ہے۔اگر انہیں یہ معلوم ہو جائے کہ خداوند تعالیٰ کا ربط وتعلق تمام انسانوں کے ساتھ برابر ہے اور انہیں یہ علم ہو جائے کہ خداوند تعالیٰ نے کس شخص کو تخلیق وآفرینش میں دوسروں پر فضیلت وبرتری نہیں بخشی ہے، تو انھیں کوئی فوقیت نہ رہے گی۔

یہ تھے وہ اسباب وعلل جن کے باعث قریش سردار آنحضرتؐ سے آزردہ خاطر اور غضبناک

ہوگئے۔ حضرت محمدؐ اور آپ کے پیروکار اعتقادی مسائل کے علاوہ اجتماعی معاملات میں بھی دخل انداز ہونے لگے۔ چنانچہ یہ دوسری وجہ تھی جس کے باعث قریش کے دلوں میں آنحضرتؐ کی طرف سے نفرت ودشمنی پیدا ہونے لگی۔ لیکن یہ نہیں کہا جاسکتا ہے کہ وہ تمام لوگ جو آنحضرتؐ کے ساتھ جنگ وجدال پر اتر آئے ان مطالب کی جزئیات کو سمجھتے تھے۔ یہ بھی امر مسلم ہے کہ ان کی آنحضرتؐ اور آپ کے پیروکاروں کے ساتھ بیشتر دشمنی کی وجہ یہ بھی تھی کہ انھیں اپنے موروثی مذہب سے گہرا تعلق خاطر تھا۔

حضرت رسولؐ خدا کو خاموش کرنے کی کوششیں اور قریش کا حضرت ابو طالب سے مذاکرہ:

ان کے دیوی اور دیوتاؤں کو جن برے ناموں سے یاد کیا جاتا تھا اسے قریش برداشت نہیں کر سکتے تھے۔ کیونکہ ان کے دلوں میں ان کے لئے انسیت وعقیدت پیدا ہو گئی تھی۔ لیکن ابولہب ابوجہل اور ولید جو ان مخالفین کے پیشوا تھے اور جنہوں نے اس دشمنی کی سلسلۂ جنبانی کی تھی وہ اس پیش آمد کو دوسری نظر سے دیکھتے تھے، کہ اگر لوگوں میں حس آزادی پیدا ہو گئی تو پھر کوئی ان کی غلامی نہ کرے گا۔ اگر نظام غلامی کا خاتمہ ہو گیا تو یہ دوسروں کی محنت پر داد عیش دینے والے کہیں کے نہ رہیں گے ؟اس کے بعد وہ کیا کریں گے ؟ جن لوگوں کے ذہنوں میں خوش بختی کا پیمانہ پیسہ ہی ہو توان سے کیا توقع کی جاسکتی تھی؟ مسلماً ان کے افکار وخیالات کا محور پیسہ تھا اور اسی کے چاروں طرف ان کے افکار وخیالات سرگرداں رہتے تھے۔ کیا محمدؐ کو پیسے کے ذریعے خریدا جاسکتا تھا؟ کیا انھوں نے اب تک پیسے کے بل پر ہر چیز جو وہ چاہتے تھے حاصل نہیں کی تھی؟ انھوں نے پیسے سے ہی شاندار محلات تعمیر کیے تھے۔ پیسے سے ہی ان کے گرد سیکڑوں کنیزیں اور غلام چکر کاٹتے نظر آتے تھے۔ پیسے کے ہی بل بوتے پر ان کے بت خانوں کے دروازے کھلے ہوئے تھے۔ چنانچہ جو لوگ چاہتے تھے کہ چراغ حق کو خاموش کردیں انھوں نے پیسے کا سہارا لیا۔ چنانچہ اس ضمن میں یعقوبی لکھتا ہے:

"قریش نے حضرت ابو طالب سے کہا: آپ کا بھتیجا ہمارے دیوی اور

دیوتاؤں کو برے ناموں سے یاد کرتا ہے۔ ہمیں وہ دیوانہ سمجھتا ہے۔ ہمارے آبا واجداد کے بارے میں اس کا خیال ہے کہ وہ گمراہ تھے۔ اس سے آپ کہیں کہ وہ اس حرکت سے باز آئے اور لوگوں کو دعوت دینا بند کرے اور اس کو جس قدر مال ودولت چاہئے ہم اس کی تحویل میں دے دیں۔ اس کے جواب میں آنحضرتؐ نے فرمایا: خداوند تعالیٰ نے اس کام کے لئے میرا انتخاب نہیں کیا ہے کہ میں دنیا کے مال ودولت کو جمع کروں اور لوگوں کو دنیا پرستی کی دعوت دوں۔ میرا انتخاب اس نے اس لئے کیا ہے کہ اس کی دعوت کو میں لوگوں تک پہنچادوں۔ اور مخلوق کو اس کی طرف بلاؤں۔"

قریش نے جب یہ جان لیا کہ وہ آنحضرتؐ کو پیسے کے ذریعے نہیں خرید سکتے تو وہ دوسرے طریقے سے سوچنے لگے۔ انھوں نے چاہا کہ حضرت ابو طالب آنحضرتؐ کی حمایت سے دست بردار ہو جائیں۔ چنانچہ اس گروہ کے کچھ سر برآوردہ لوگ حضرت ابو طالب کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا کہ ہم عمارہ بن ولید مغیرہ جیسے تنومند وخردمند جوان کو آپ کی خدمت میں پیش کرنے کے لئے تیار ہیں بشرطیکہ آپ محمدؐ کو ہمارے حوالے کردیں تاکہ ہم انھیں قتل کر ڈالیں۔

اس واقعہ کو بہت سے مورخین نے بیان کیا ہے۔ حضرت ابو طالب سے جو درخواست کی گئی تھی وہ سود خور ومال اندوز قریش کی طرز فکر کو خوب مجسم کرتی ہے۔ اس سود خوری کے نظریے سے جو ہر چیز کو مادی فائدے پر پرکھتا ہے، پیسے کے علاوہ موجودات عالم میں ہر چیز اس کا مقصد نہیں بلکہ پیسہ بنانے کا وسیلہ ہے۔ وہ وسیلہ انسان بھی ہو سکتا ہے، کوئی جانور بھی اور سازو سامان دنیا بھی۔ ان کی نظر میں آنحضرتؐ کی ذات حضرت ابو طالب کے لئے ایسی قوت تھی جسے فائدے کے لئے استعمال کیا جا سکتا تھا۔ عقل ودانش، انسانیت، قرابت داری، غرض یہ کہ ہر وہ چیز جس کا تعلق محبت ومہربانی سے ان کی نظروں میں بالکل بے قدر وقیمت تھی۔ ان کی نظر میں آنحضرتؐ کے مقابلے میں عمارہ سودمندی اور ضرر ونقصان کی پیش بندی میں زیادہ بہتر اور مناسب شخص ہو سکتا تھا۔ چنانچہ یہی وجہ تھی کہ جب قریش نے اپنی یہ تجویز پیش کی تو حضرت ابو طالب نے اسے قبول نہ کیا۔ اس پر مطعم بن عدی بن نوفل نے کہا

کہ ابو طالب خدا کی قسم تیرے رشتہ داروں نے جو بات کہی وہ حق وانصاف پر مبنی تھی۔

حضرت ابو طالب نے جواب دیا:

"کیسی سفاکانہ درخواست ہے۔ تم یہی تو چاہتے ہو کہ اپنے لخت جگر کو میرے حوالے کردو تاکہ میں تمہارے لئے اس کی پرورش کروں اوراس کی جگہ تم میرے لال کو مجھ سے چھین لو اور اسے قتل کرڈالو۔ یہ انصاف نہیں۔ جور وستم ہے۔ تم یہاں سے اپنی صورت لے کر دفع ہو جاؤ۔ اب تمہارا دل جو چاہے کرو۔ میرے لئے تمہاری بات کسی طرح بھی قابل قبول نہیں۔"

قریش سرداروں کو جب اس راہ میں بھی کوئی فائدہ نظر نہیں آیا تو انھوں نے دوسرا راستہ اختیار کیا۔ وہ راستہ جو نادان لوگ اس وقت جب کہ عقلمند لوگوں کی منطقی دلیل کے سامنے عاجز وپست ہو جاتے ہیں، اختیار کیا کرتے ہیں۔

جاہلوں کی یہ عادت ہے کہ جب وہ صحیح جواب دینے سے ہار جاتے ہیں تو احمقانہ حرکت کرنے لگتے ہیں۔ وہ دوسروں کی نقلیں اتارتے ہیں، گالی گلوج پر اتر آتے ہیں اور تکلیف وایذا پہنچانے لگتے ہیں۔

چنانچہ قریش بھی آنحضرتؐ کو ایذا و آزار پہنچانے پر اتر آئے۔ اس راہ میں وہ جس قدر بھی آگے آسکتے تھے، آگئے۔ ابو لہب اوراس کی بیوی ام جمیل، حکم بن ابی العاص، عقبہ بن ابی معیط ان افراد میں تھے جنھوں نے آنحضرتؐ کو دوسروں کے مقابلے زیادہ آزار پہنچایا۔ جس وقت آنحضرتؐ بازار عکاظ میں لوگوں کو خدائے واحد کی جانب آنے کی دعوت دیتے تو ابو لہب آپؐ کا تعاقب کرنے لگتا اور وہاں لوگوں سے کہتا۔ لوگو! میرا بھتیجا جھوٹ بول رہا ہے۔ اس سے بچ کر رہو۔ دوسرا حیلہ جو انھوں نے اختیار کیا وہ یہ تھا کہ آنحضرتؐ کو ایذا پہنچانے کے لئے وہ غلاموں اور بچوں کو پیچھے لگادیتے۔

یہ ہم جانتے ہی ہیں کہ انتقام وکینہ کشی عربوں کی بہت پرانی عادت ہے۔ وہ یہ جانتے تھے کہ اگر وہ آنحضرتؐ کو ایذاو آزار پہنچائیں گے تو حضرت ابو طالب اور بنی ہاشم آپ کی حمایت وپشتبانی کریں گے۔ ایک روز آنحضرتؐ جب کہ حالت نماز میں تھے تو ان میں سے چند لوگوں نے اونٹ کی اوجھڑی کو مینگنیوں سے بھر کر اپنے غلاموں میں سے ایک کو دے دی۔ چنانچہ جیسے ہی آنحضرتؐ سجدہ میں گئے تو اس

غلام نے وہ اوجھڑی آپؐ کی پشت پر رکھ دی۔ اور آپؐ کے کندھوں اور کمر کو گندا کر دیا۔

آنحضرتؐ نے اس کی شکایت حضرت ابو طالب سے کی۔ وہ اپنی تلوار سونت کر باہر آئے، ان کا غلام ان کے پیچھے پیچھے ہو لیا۔ جب وہ ان احمقوں کے پاس پہنچے جو نازیبا حرکت کے مرتکب ہوئے تھے تو کہا کہ اگر تم میں سے کسی نے ایک لفظ بھی منہ سے نکالا تو اس کی گردن اڑا دوں گا۔ اس کے بعد انھوں نے اپنے غلام سے کہا کہ ان میں سے ہر ایک کے منہ پر ان مینگنیوں کو مل دے۔

مسلمانوں کو آزار کا سلسلہ شروع:

قریش کافروں کی ان تمام جاہلانہ تہمتوں اور احمقانہ ایذار سانیوں کے باوجود مسلمان روز بروز طاقتور ہوتے جا رہے تھے۔ مالدار اور طاقت ور لوگ اس سے خوفزدہ ہو کر جتنی بھی زور آزمائی اس کے خلاف کرتے کمزور و ناتواں اور غلام طبقے کے لوگ اتنے ہی زیادہ اسلام کی جانب مائل ہوتے جاتے۔

اب خطرہ آہستہ آہستہ بڑھتا جا رہا تھا۔ اشراف اس نبرد و پیکار میں زیادہ سنجیدہ ہونے لگے تھے۔ ان لوگوں نے ایک دوسرے کے ساتھ عہد و پیمان کئے کہ ہر خاندان اور قبیلے کا سردار جس قدر بھی مسلمان غلاموں کو ایذاء و آزار پہنچا سکتا ہے وہ اس میں کوئی کوتاہی نہ کرے گا۔ جو لوگ دین اسلام سے مشرف ہوتے ان کے ساتھ وحشیانہ سلوک کیا جاتا۔ جس طرح روم کے قیصر حکمران ان لوگوں کو جو عیسائی ہو جاتے دیواروں میں چنوا دیتے یا بھوکے شیر کے سامنے اسے چھوڑ دیتے تھے۔ ویسے ہی قریش تاجر بھی مسلمانوں کو گرمی کے وقت گرم گرم ریت پر پیٹھ کے بل لٹا دیتے اور ان کے پیٹ پر گھونسے اور لاتیں مارتے تھے۔

حضرت عمار یاسر، ان کے والدین اور جناب خباب بن ارباب کا شمار ان لوگوں میں ہوتا ہے کہ وہ جیسے ہی مشرف باسلام ہوئے مصیبتوں کا پہاڑ ان پر ٹوٹ پڑا۔ ان بے چاروں کو سب سے زیادہ آزار پہنچایا گیا۔ والدہ حضرت عمار کی تو اس قدر سخت شکنجہ کشی کی گئی کہ وہ اس کی تاب نہ لا سکیں اور جان دے دی۔ امیہ بن خلف کے غلام حضرت بلال تھے۔ امیہ دوپہر کے وقت انھیں پیٹھ کے بل زمین پر لٹا دیتا اور ان کے سینے پر بھاری پتھر رکھ دیتا اور کہتا کہ جب تک تو محمدؐ سے روگرداں نہ ہوگا اور لات و عزیٰ کی پوجا

نہیں کرے گا تیرے ساتھ یہی سلوک ہوتا رہے گا۔ لیکن حضرت بلال اسی حالت میں بھی احد احد ہی کہتے رہے۔ ابن ہشام نے ابن اسحاق اور انھوں نے عبداللہ بن عباس کے حوالے سے یہ روایت بیان کی ہے کہ مشرکین ان لوگوں کو جو حال ہی میں دین اسلام قبول کرتے بھوکا اور پیاسا رکھتے اور اس قدر انھیں زدوکوب کرتے کہ وہ ٹھیک طرح بیٹھ بھی نہیں سکتے تھے۔

اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ آنحضرتؐ کی دعوت حق میں ایمان کس حد تک کارفرما تھا۔ اور آپ کے پیروو کاروں میں کس قدر جوش ایمان موجود تھا۔ اس میں شک نہیں کہ چند لوگ اس آزمائش کی تاب نہ لا سکے اور زباں سے انھوں نے اقرار کرلیا کہ ان کا آنحضرتؐ سے کوئی سروکار نہیں، لیکن ان کے دلوں میں ایمان کی حرارت تھی۔ مگر بیشتر ان میں ایسے تھے جنہوں نے شکنجہ کشی کی تکالیف بھی برداشت کیں اور زبان سے بھی اپنے مسلمان ہونے کا اعتراف کرتے رہے۔

قریش تاجروں اور مالدار لوگوں کو جو خطرہ لاحق تھا اس میں سے بیشتر حج کے زمانے سے متعلق تھا۔ کیونکہ اس وقت مختلف عرب قبائل مراسم حج ادا کرنے کے لئے مکہ آیا کرتے تھے۔ اور یہ وہ زمانہ تھا جب آنحضرتؐ بانگ توحید جزیرۂ عرب کے تمام باشندوں کے کانوں تک پہنچا سکتے تھے۔ تاجروں کو ڈر تھا کہ کہیں انقلاب کا یہ شعلہ مکہ کے ماحول سے نکل کر دور تک پھیلتا نہ چلا جائے۔ اور پورے جزیرے کے سرمایہ دارانہ نظام کے لئے اچانک خطرہ پیدا نہ ہو جائے۔ اس بنا پر وہ چاہتے تھے کہ جس قدر جلد ہو سکے کوئی عملی اقدام کریں۔

ولید بن مغیرہ نے قریش کے ایک گروہ کو اپنے پاس بلایا اور کہا کہ اب جب کہ حج کا زمانہ قریب ہے اور عرب ہر طرف سے تمہاری طرف آئیں گے، تمہیں چاہئے کہ محمدؐ کے خلاف متحد ہو جاؤ۔ بتاؤ! اگر لوگ تم سے سوال کریں تو تم انھیں کیا جواب دو گے؟ انھوں نے کہا کہ جو کچھ آپ کہیں گے۔ اس نے کہا تم بھی تو اپنی رائے کا اظہار کرو۔ انھوں نے کہا کہ ہم کہیں گے کہ وہ کاہن ہے۔ اس نے کہا نہیں۔ یہ سن کر خدا کی قسم وہ کاہن نہیں ہے۔ ہم نے بہت سے کاہن دیکھے ہیں اور ان کی لچھے دار باتیں بھی سنی ہیں۔ انھوں نے کہا کہ ہم کہیں گے وہ دیوانہ ہے۔ (نَعُوذ بِاللّٰہ) اس نے کہا نہیں، اس کی باتیں دیوانوں جیسی نہیں ہیں۔ نہ اس کے سر پر کوئی دیوی آتی ہے اور نا ہی اس کے ہاتھ پیر بلاارادہ لرزتے

ہیں۔ پھر انھوں نے کہا کہ ہم کہیں گے کہ وہ شاعر ہے۔ اس نے کہا نہیں، وہ شاعر بھی نہیں کیوں کہ ہم نے سخن شناس ہیں اور ہم نے انواع واقسام کے اشعار سنے ہیں۔ انھوں نے کہا کہ اگر ہم کہیں گے کہ وہ جادوگر ہے تو کیسا ہے؟ اس نے کہا نہیں! وہ جادوگر کی طرح شعبدہ باز بھی نہیں ہے۔ انھوں نے آخر ہار کر کہا تو پھر کیا کہیں؟ اس نے کہا اس سلسلے میں تم اس کے بارے میں اگر اس طرح کی باتیں کروگے تو ہماری قلعی کھل جائے گی۔ اس زمانے میں یہی کہنا بہتر ہے کہ اس کی باتیں جادوگروں جیسی ہیں۔ اپنی باتوں سے وہ باپ بیٹے، بھائی بھائی، شوہر و بیوی اور باہمی رشتہ داروں کے درمیان تفرقہ پیدا کر دیتا ہے۔

مدینہ دین اسلام قبول کرنے کیلیئے آمادہ ہے:

دولت مندوں اور کنیز وغلام کے مالک قریش نے اسلام کی آزادی بخش صدا کو خاموش کرنے کی جتنی بھی کوشش ہو سکتی تھی، کی مگر اس کے باوجود آنحضرتؐ کی دعوت حق ہر کان میں پہنچ رہی تھی اور گھر گھر میں اسی کا چرچا تھا۔ دوسرے شہروں کے مقابلے میں مدینہ اس دعوت حق کو قبول کرنے کے لئے سب سے آگے تھا۔ اس شہر میں یہودیوں اور عیسائیوں کی آپس میں دیرینہ دشمنی چلی آرہی تھی۔ اوس اور خزرج نامی دو قبیلوں کے درمیان جو طویل عرصے سے جنگ چلی آرہی تھی اس کے باعث دونوں قبیلے کے لوگ عاجز و تنگ آچکے تھے۔ دونوں قبیلوں کے بزرگان قوم کسی ایسے راستے کی تلاش میں تھے، جس کے ذریعے وہ اس خانماں سوز آگ کی لپیٹ سے خود کو بچاسکیں۔ آنحضرتؐ کی دعوت حق ان کے لئے امید بخش خبر تھی۔

ابو قیس اوس قبیلے کا فرد اور قریش خاندان کا داماد تھا۔ وہ مدینہ میں رہا کرتا تھا۔ جب اسے آنحضرتؐ کے ساتھ قریش کی دشمنی کا حال معلوم ہوا اور یہ خبر ملی کہ ان کے اور حضرت ابو طالب کے درمیان کشیدگی چلی آرہی ہے تو اس نے ایک قصیدہ کہا اور قریش کو خانہ جنگی سے باز رکھنے کی ہدایت کی۔

ابو قیس خود بھی خانہ جنگی کی تلخی کا مزہ چکھ چکا تھا اور اسے یہ بھی معلوم تھا کہ قبیلہ اوس اور خزرج سالہا سال سے کس مصیبت کا شکار ہیں۔ اس نے قصیدے کے اشعار میں قریش کو یہ پند ونصیحت کی:

"میں تمہاری بد چلنی، کینہ پروری اور جنگ افروزی کے باعث خدا سے پناہ مانگتاہوں ۔ جنگ سے دست بردار ہو جاؤ۔ یہ خانماں سوز جنگ جو تمہارے درمیان چل رہی ہے، اس سے باز آؤ۔ جنگ اپنے ساتھ موت کا پیغام لے کر آتی ہے۔ موت دور اور نزدیک نہیں جانتی ۔ جنگ بھائی چارے کے رشتوں کو توڑ دیتی ہے، لوگوں کو تباہ و برباد کر دیتی ہے، جسموں کے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالتی ہے۔ آخر یہ خونریزی کب تک ؟ داحس و حاطب کی جنگ سے سبق سیکھو۔ کیسے کیسے دانشمند، خوش خلق بزرگوار اشخاص، دلیر و مہمان نواز اس جاہلانہ کینہ توزی کا شکار ہو گئے۔ تم عربوں کے پیشوا، عوام کے پاسبان اور ان کے ہادی و راہنما ہو اٹھو اور دین حنیف کو اپنے درمیان قائم کرو۔"

لیکن قریش اس سے کہیں زیادہ سخت دل، سیاہ باطن اور ناعاقبت اندیش تھے کہ ان پند و نصائح سے کوئی عبرت حاصل کرتے اور خود کو رسولؐ خدا کے ساتھ کینہ و دشمنی سے باز رکھتے۔ شاید ان کے لئے کوئی چارہ بھی نہ تھا۔ ہمیں چاہئے کہ ان کی آنکھوں کے جھروکوں سے اس زمانے کی دنیا کا جائزہ لیں تاکہ اس کے بعد ہی ہم ان کے اقدامات کے بارے میں کوئی فیصلہ کر سکیں۔ ہمارا پیمانہ انسانی منطق اور بشر دوستی ہے۔ اور ان کے عدل و انصاف کا پیمانہ تھا مال اندوزی اور سود خوری۔

قریش کی جدوجہد موت و حیات کے درمیان کشاکش تھی۔ اگر آنحضرتؐ کی دعوت حق پیشرفت کرتی تو انھیں ہمیشہ کے لئے کسان کے اناج اور باغبانی کے رسیدہ میوے سے ہاتھ دھونا پڑتا۔

مشرکین یہ دیکھ رہے تھے کہ آنحضرتؐ کو حضرت ابو طالب کی حمایت حاصل ہے۔ چوں کہ وہ بھی قریش تھے اسی لئے ان میں اتنا یارا نہ تھا کہ وہ آنحضرتؐ کے ساتھ برسرپیکار ہوں یا آپؐ کو ایذاو آزار پہنچا سکیں۔ ناچار اس امر کی کوشش کرتے رہتے کہ اپنے حسد کے شرارے اور کینۂ باطنی کی آگ کو طعن و طنز کے پانی سے خاموش کریں۔ ایک زبوں و ناتواں اور نادان آدمی ایک دانا و باعزم کے سامنے اسی طرح کی حرکتیں کرتا ہے۔ دشمنوں نے دھمکی بھی دی، مال و دولت کا لالچ بھی دلایا، مخول بھی کی اور گالیاں تک دیں۔ مگر آنحضرتؐ کے خلل ناپذیر ارادے پر اس کا ذرا بھی اثر نہ ہوا۔ کبھی کبھی

جب اپنی قوم کی اس حرکت سے دل تنگ و آزردہ خاطر ہو کر گوشہ تنہائی میں جا بیٹھے تو خداوند تعالی کا فرمان اس عظیم ذمہ داری کی جانب آپؐ کو متوجہ کراتا، جس سے آپ کو عہدہ بر آ ہونا تھا۔

يَاأَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ قُمْ فَأَنْذِرْ وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ

(اے چادر اوڑھنے والے، اٹھو اور خبر دار کرو اور اپنے رب کی بڑائی کا اعلان کرو اور اپنے کپڑے پاک رکھو۔ (سورہ مدثر، آیہ ا سے ۴ تک)

وہ کیونکر گوشہ نشین ہوتے؟ کیسے انھیں آرام ملتا کیونکہ اپنے مقدس مقصد کی طرف پہنچنے کے لئے راہ میں ایک لمحے کا توقف بھی روا و جائز نہیں ہے۔

حضرت حمزہ کا قبول اسلام:

آنحضرتؐ کے چچا حضرت حمزہ بن عبد المطلب ایک طاقتور جوان، زور آور پہلوان، آزاد مرد اور فریاد رس انسان تھے۔ شکار کا انھیں بہت شوق تھا۔ جس وقت وہ شکار کر کے واپس آتے تھے تو اس سے قبل کہ گھر پہنچیں، طواف کعبہ ضرور کرتے تھے۔ ایک روز ابو جہل نے جو قبیلہ بنی مخزوم کا سردار تھا آنحضرتؐ کو دیکھا اور آپ کے ساتھ بدکلامی پر اتر آیا۔ ابو جہل آنحضرتؐ کا سخت دشمن تھا اور آپؐ کو ایذا و آزار پہنچانے میں ذرا بھی کوتاہی نہ کرتا تھا۔ آنحضرتؐ نے ابو جہل کی باتوں کا کوئی جواب نہ دیا۔ عبد اللہ بن عدنان نامی غلام نے ابو جہل کی باتیں سنیں اور قریش کی مجمع گاہ میں پہنچا۔ حضرت حمزہ اس وقت شکار سے واپس آرہے تھے اور کمان ابھی ان کی گردن میں ہی لٹکی ہوئی تھی۔ اسی حالت میں وہ اس مجمع گاہ میں پہنچ گئے۔ عبد اللہ غلام نے ان سے کہا:

"ابو الحکم بن ہشام (ابو جہل) نے تمہارے بھتیجے کو گالیاں دی ہیں اور سخت ایذاء پہنچائی ہے۔"

حضرت حمزہ کو طیش آ گیا، کیون کہ ان کے لئے سخت دشوار و ناگوار تھا کہ بنی مخزوم اس حد تک بنی ہاشم پر غالب آجائیں۔ چنانچہ وہ ابو جہل کی طرف لپکے۔ جب انھوں نے اسے مسجد میں پایا تو اس زور سے کمان اس کے سر پر ماری کہ بڑی سی پھانک کھل گئی۔ اور کہا کہ کیا تو محمدؐ کو گالیاں دے رہا تھا؟ تو یہ جان لے

کہ میں اس کے دین پر قائم ہوں۔ تجھ میں ہمت ہے تو مجھے اسلام پر قائم رہنے سے روک لے۔ کچھ لوگوں نے چاہا کہ ابو جہل کی حمایت میں بولیں۔ لیکن اس نے انھیں یہ کہ کر منع کر دیا۔ کہ تم حمزہ کو کچھ مت کیونکہ کہ میں نے اس کے بھتیجے کو واقعی بدکلامی کی ہے اور اس طرح حضرت حمزہ زمرہ اسلام میں داخل و مشاغل ہو گئے۔ چنانچہ جیسے ہی وہ مشرف بہ اسلام ہوئے، مسلمانوں کی شان و شوکت دوبالا ہو گئی۔ اور اب قریش کے لئے اس کے سوا کوئی چارہ نہ تھا کہ آنحضرتؐ کو آزار پہنچانے میں ذرا کوتاہی کریں۔

مسلمانوں کے آزار میں اضافہ:

سرداران قریش، لوگوں کو آنحضرتؐ کا گرویدہ ہونے سے روکنے کے لئے حقارت، دھمکی، لالچ، ایذاو آزار اور کینہ و دشمنی جیسے سب ہی طریقے استعمال کر چکے تھے۔ لیکن جیسا کہ ہم اوپر پڑھ چکے ہیں وہ نتیجہ جو قریش چاہتے تھے بر آمد نہ ہو سکا۔ ایک اور طریقہ جو انھوں نے اختیار کیا وہ لوگوں کے لئے تفریح اور عیش و عشرت کے وسائل مہیا کرنا تھا تاکہ لوگوں کو اتنا موقع ہی نہ ملے کہ وہ حقائق کے بارے میں غور و فکر کر سکیں۔ یہ طریقہ عرصہ دراز سے چلا آرہا تھا۔ روم کے قیصر حکمراں، لوگوں کے لئے کشتی گیری کے اکھاڑے، رقص و سرود کی محفلیں اور لہو ولعب کے وسائل مہیا کرتے تھے تاکہ لوگ مسیحیت کے بارے میں نہ سوچیں۔ آیات قرآنی نے ایسے بہت سے گذشتہ لوگوں کے واقعات بیان کئے ہیں تاکہ لوگ انھیں پڑھ کر عبرت حاصل کر سکیں۔ فطری طور پر لوگوں کا رجحان سنجیدہ موضوعات کے مقابل قصے کہانیاں سننے اور تاریخی واقعات کے بارے میں جاننے کا زیادہ ہوتا ہے۔ یہ داستانیں لوگوں کو آنحضرتؐ کی حکایات سے زیادہ اپنی طرف متوجہ کرنے کے لئے تھیں۔

اب قریش نے لوگوں کو آنحضرتؐ کے قریب آنے سے روکنے اور انھیں منتشر کرنے کے لئے ایک اور راہ اختیار کی۔ نضر بن حارث نامی ایک شخص تھا، وہ کچھ عرصہ حیرہ میں رہ چکا تھا۔ اور ایران قدیم کے بہت سے واقعات اس نے سن رکھے تھے۔ وہ ہر وقت آنحضرتؐ کے پیچھے لگا رہتا۔ جب آنحضرتؐ پند و وعظ فرماتے اور ان لوگوں کے واقعات سناتے جو ان سے قبل کافر ہونے کے باعث خداوند تعالیٰ کے عذاب میں سخت گرفتار ہو چکے تھے، اور انھیں خدائے واحد کی عبادت کرنے کی دعوت

دیتے تو نضر بن حارث آنحضرتؐ کی جگہ پر جا بیٹھتا اور کہتا کہ لوگو! آؤ میں تمہیں اس سے اچھے قصے کہانیاں سناتا ہوں۔ اس کے بعد وہ انھیں ایرانی بادشاہوں کے قصے اور اسفندیار و رستم کی داستانیں سناتا۔ اس کے بعد وہ ان سے کہتا کہ بتاؤ میرے قصے زیادہ دلچسپ ہیں یا محمدؐ کی حکایات۔ لیکن ان تمام کاز شکن باتوں کے باوجود قرآنی آیات مشرکین کے دلوں پر اثر کئے بغیر نہ رہتیں۔

مشرکین کا ایک دستہ رات کے وقت آیات قرآنی سننے کی غرض سے ایک دوسرے سے چھپ کر آنحضرتؐ کی رہائش گاہ کے گرد جمع ہو جاتا اور صبح کے وقت جب وہ لوگ وہاں سے واپس آتے اور ایک کی دوسرے پر نظر پڑتی تو وہ آپس میں ملامت کرتے کہ سننے کے لئے وہاں کیوں جاتے ہو؟

حبشہ کی جانب ہجرت:

حضرت ابو طالب کے رعب و دبدبے اور حشمت و بزرگواری کے باعث قریش آنحضرتؐ کو چنداں ایذاء و آزار نہیں پہنچاتے تھے مگر نو مسلم جن میں بیشتر غلام تھے، سخت مشکلات سے دوچار تھے۔ آنحضرتؐ کو یہ گوارا نہ تھا کہ خود تو آرام سے زندگی بسر کریں اور آپؐ کے پیروکار مصائب میں گرفتار رہیں۔ اس وقت آپؐ ان کی کچھ مدد بھی نہیں کر سکتے تھے۔ بالآخر مجبور ہو کر آپ نے انھیں حکم دیا کہ حبشہ کی جانب چلے جائیں۔ آپ نے فرمایا کہ وہاں ایک ایسے بادشاہ کی حکومت ہے جو کسی پر ظلم و ستم نہیں کرتا۔ تم وہاں چلے جاؤ، وہیں جا کر رہو تاکہ خدا تمہیں اس مصیبت سے نجات دے۔ چنانچہ بنی امیہ، بنی ہاشم اور بنی عبد الشمس کے کچھ گروہ وہاں منتقل ہو گئے۔

قریش نے عمرو بن عاص اور عبد اللہ بن ابی ربیعہ کو نجاشی کے پاس روانہ کیا تاکہ وہ مسلمانوں کو واپس بھیج دے۔ حضرت ابو طالب نے بھی نجاشی کی تعریف میں اشعار کہے، جن میں اسے مسلمانوں کی حمایت و سرپرستی کی ترغیب دلائی۔ نجاشی نے مہاجرین کی عمدہ پذیرائی کی۔ وہ اس کی مملکت میں آزادی کے ساتھ خداوند تعالیٰ کی عبادت کر سکتے تھے۔ جب قریش کے قاصد حبشہ پہنچے تو وہ نجاشی اور اس کے مقربین کے لئے ہدیہ و تحائف لیتے گئے، جو انھوں نے وہاں انھیں پیش کئے اور بخاشی سے کہا کہ ہمارے نادان غلاموں کے ایک گروہ نے اپنے دین سے خارج ہو کر ایسا نیا دین اختیار کر لیا ہے کہ جس

کے بارے میں نہ آپ جانتے ہیں نا ہمیں ہی کچھ معلوم ہے۔ ہمارے سرداران قوم اور ان کے والدین اور رشتہ داروں نے ہمیں یہاں بھیجا ہے تا کہ آپ سے درخواست کریں کہ انھیں ان کے قوم و قبیلے میں واپس بھیج دیں۔ نجاشی کے مقربین بھی ان دونوں کے ہمنوا ہو گئے۔ لیکن نجاشی نے کہا:

"انھوں نے تمام بادشاہوں کو چھوڑ کر مجھ سے پناہ چاہی ہے۔ میں تحقیق کیے بغیر انھیں اپنے ملک سے باہر نہیں نکال سکتا۔ میں بھی تو جانوں کہ وہ ان قاصدوں کے بارے میں کیا کہتے ہیں؟"

جب نجاشی نے مسلمانوں کو اپنے پاس بلایا تو حضرت جعفر بن ابی طالب نے مہاجرین کی جانب سے کہا:

"اے بادشاہ! ہم نادان لوگ تھے۔ مورتیوں کو پوجتے تھے۔ مردار کھایا کرتے تھے۔ برے کام انجام دیتے تھے۔ اپنے ہمسایہ لوگوں کے بارے میں نہیں جانتے تھے۔ طاقت ور لوگ کمزور و ناتواں لوگوں کو پائمال کرتے رہے۔ ہم اسی طرح کی زندگی بسر کر رہے تھے کہ خداوند تعالیٰ نے ہمارے درمیان ہی میں سے ایک کو پیغامبر بنا کر اتارا۔ اس کی راستگوئی کے ہم قائل ہیں۔ اس کی امانت داری اور پرہیزگاری پر ہمارا ایمان ہے۔ وہ کہتا ہے کہ ہم بس خدائے واحد کی عبادت کریں۔ اس نے ہم سے یہی کہا کہ لکڑی اور پتھر کی مورتیوں کو نہ پوجو۔ اس نے ہم سے یہی چاہا ہے کہ ہم راستگو، امانت دار، قرابت دار، بہی خواہ، خوش کردار اور متقی و پرہیزگار بن کر رہیں۔ برے کاموں سے بچیں، یتیموں کا مال نہ کھائیں۔ زکوٰۃ ادا کریں اور روزہ رکھیں۔ چنانچہ ہم ایسے پیغمبرؐ کے گرویدہ ہو گئے ہیں اور اسی کی پیروی کرتے ہیں۔ ہماری قوم کے لوگ ہم پر محض اس وجہ سے ظلم و ستم بپا کئے ہوئے ہیں کہ ہم نے یہ دین قبول کر لیا ہے۔ ہماری وہ شکنجہ کشی کئے ہوئے ہیں تا کہ ہم اس دین سے دست بردار ہو جائیں۔ اور پھر مورتیوں کی پوجا کرنے لگیں۔ جب ہم پر وہاں زندگی عذاب ہو گئی تو ہم نے آپ کے ملک میں آکر پناہ لی۔ اور تمام بادشاہوں کو چھوڑ کر آپ کا ہی ہم نے انتخاب کیا۔ ہمیں امید ہے کہ آپ کی پناہ میں ہم پر مظالم نہ ہوں گے۔"

نجاشی نے سوال کیا کہ وہ پیغام جو خداوند تعالیٰ کی طرف سے تمہارا پیغمبرؐ لے کر آیا ہے تم اس کے بارے میں کچھ جانتے ہو؟ حضرت جعفر نے سورہ مریم کی چند ابتدائی آیات پڑھ کر سنائیں۔ ان

آیات کو سن کر نجاشی اور وہ تمام لوگ جو اس کے دربار میں حاضر تھے، اس قدر روئے کہ ان کی ڈاڑھیاں اشکوں سے تر ہو گئیں۔ اس پر نجاشی نے کہا کہ خدا کی قسم یہ کلام ویسا ہی ہے جیسا کہ حضرت عیسیٰؑ کا ہے۔ یہ دونوں ایک ہی چراغ کی لوئیں ہیں۔ اس کے بعد اس نے قریش کے قاصدوں سے کہا: میں انھیں تمہارے حوالے نہیں کروں گا۔ اور اس طرح ایک بار پھر نور کا تاریکی پر غلبہ ہوا۔ اور خدا پرستی کو فتح وکامرانی حاصل ہوئی۔ قریش کے قاصد شکست وناکامی سے دوچار واپس ہوئے، اور ان کی یہ سازش کامیاب نہ ہو سکی۔

محاصرہ شعب ابی طالب:

حضرت حمزہ وحضرت عمر کے مسلمان ہو جانے اور اصحاب پیغمبرؐ کے حبشہ کی جانب ہجرت کر جانے کے باعث قریش آنحضرتؐ پر رشک کرتے تھے۔ ان کے لئے یہ سخت ناگوار تھا کہ رسولؐ خدا اور مسلمان اس حد تک کامیاب ہوں۔ چنانچہ مجبور ہو کر اس غرض سے کہ حضرت محمدؐ اور بنی ہاشم کو زبوں وناتواں کریں اور ان کے ساتھ قہر وغضب کا سلوک روا رکھیں، وہ ان کا محاصرہ کرنے کی فکر کرنے لگے۔ انھوں نے ایک جلسے کی تشکیل کی اور عہد نامہ لکھا۔ اس عہد نامے کی رو سے بنی ہاشم اور بنی عبد المطلب سے مکمل طور پر قطع تعلق کر لینا تھا۔ ان کے ساتھ کوئی شخص کسی بھی قسم کا معاملہ نہ کرے۔ یہ عہد نامہ انھوں نے خانۂ کعبہ میں لکھ کر لٹکا دیا۔ تین سال تک بنی ہاشم کا محاصرہ جاری رہا۔ یہاں تک کہ ایک دن حضرت جبرئیل نے آنحضرتؐ کو وحی کے ذریعے مطلع کیا کہ دیمک اس عہد نامہ کو چاٹ گئی ہے اور اس کا صرف وہ حصہ باقی رہ گیا ہے جس پر اللہ لکھا ہوا ہے۔ حضرت ابو طالب نے آنحضرتؐ کی اس بات کا قریش کے اجتماع میں اعلان کیا اس طرح آنحضرتؐ کے قول کی حقیت سب پر عیاں ہو گئی اور قریش نے بنی ہاشم پر سے اپنا محاصرہ اٹھالیا۔

طائف کا سفر:

حضرت خدیجہؑ اور حضرت ابو طالب کا ایک ہی سال کے دوران انتقال ہو گیا۔ حضرت خدیجہؑ سے آنحضرتؐ کو اطمینان حاصل ہوتا تھا۔ جس وقت مشرکین آپ کو آزار پہنچاتے یا آپ کو دروغگو

کہتے وہ اپنے شوہر کی دلجوئی فرماتیں۔ حضرت ابو طالب آپ کی حمایت و پشتبانی کرتے، جس کے باعث دشمنوں کو اتنی ہمت نہ ہوتی کہ آپ کو ایذاء و آزاء پہنچا سکیں۔ حضرت خدیجہؑ اور حضرت ابو طالب کی وفات کے بعد قریش آنحضرتؐ کے ساتھ دشمنی میں پہلے سے زیادہ گستاخ ہو گئے۔ ان دونوں کی رحلت کے بعد آنحضرتؐ نے مجبوراً طائف کا سفر کیا کہ شاید کچھ حد تک قریش کی کینہ توزی سے دور رہ سکیں۔ اور شاید اس لئے بھی کہ طائف کے ان لوگوں کو، جو اس شہر میں رہتے تھے، اپنے دین کی دعوت دیں۔ یہ تین آدمی عمرو بن عمر کے لڑکے تھے اور ان کے نام عبدیالیل، مسعود اور حبیب تھے۔

جب آنحضرتؐ نے انھیں اپنے دین کی دعوت دی، ان میں سے ایک نے کہا کہ خدا نے تجھے پیغامبر بنا کر بھیجا ہے تو میں جامہ کعبہ کی چوری کو جایز سمجھوں گا۔ دوسرے نے کہا کہ خدا کو تیرے علاوہ کوئی ایسا دوسرا شخص نہیں ملا جسے پیغامبر بنا کر بھیجے۔ تیسرے نے کہا کہ میں تجھ سے بات نہیں کرنا چاہتا کیونکہ اگر واقعی تو پیغمبر ہے تو اس سے بالاتر ہے کہ تیری بات قبول کرنے سے انکار کروں۔ اور اگر تو دروغگو ہے تو تجھ سے کیا بات کروں؟ اس کے بعد انھوں نے آنحضرتؐ کے پیچھے لفنگے لگا دیے، جنھوں نے آپؐ پر اس قدر آوازے کسے کہ آپ کو وہاں سے کوچ کرنا پڑا۔

یہاں سے نکل کر آنحضرتؐ انگور کے باغ میں پناہ لینے کے لئے پہنچے۔ جہاں انھوں نے خداوند تعالیٰ سے چند لمحے کے لئے مناجات کی، اور اپنی زبونی و خستہ حالی کی اپنے رب سے شکایت کی۔ ربیعہ کے لڑکوں عقبہ اور شبیہ نے اپنے عیسائی غلام کے ہاتھ جس کا نام عدوس تھا، انگوروں کا طباق آنحضرتؐ کے پاس بھیجا۔ آنحضرتؐ نے انگور کھانے سے پہلے بسم اللہ کہا۔ اس غلام تے کہا کہ یہاں کے لوگ ایسا کوئی لفظ اپنی زبان سے ادا نہیں کرتے۔ اس پر آنحضرتؐ نے اس سے پوچھا کہ تو کہاں کا رہنے والا ہے اور تیرا دین و مذہب کیا ہے؟ اس نے کہا میں عیسائی ہوں اور نینوا میرا وطن ہے۔ اس پر آنحضرتؐ نے فرمایا کہ یونس بن متی متقی و پرہیزگار شخص کا ہم وطن۔ عداس نے کہا کہ آپ یونس کو کیسے جانتے ہیں؟ آپؐ نے فرمایا وہ پیغمبرؑ تھے اور میں بھی خدا کا رسول ہوں۔ عداس نے وہیں آپؐ کے ہاتھ پر بیعت کی اور دین اسلام قبول کر لیا۔

معاہدہ عقبہ:

آنحضرتؐ کا طریق کار یہ تھا کہ حج کے موقع پر جس وقت مختلف قبائل خانہ کعبہ کی زیارت کے واسطے آتے تو آپؐ ان کے سامنے آتے اور دعوت حق کی انھیں تبلیغ کرتے، لیکن کوئی ان کی بات تک نہ سنتا۔ ایک سال مدینے کے چند لوگوں نے جن کا تعلق قبیلہ خزرج سے تھا، آپ سے ملاقات کی۔ آنحضرتؐ نے اپنی دعوت انھیں پیش کی جسے انھوں نے قبول کرلیا۔ ان دنوں قبیلۂ خزرج کے لوگ قبیلۂ اوس کے ساتھ طویل جنگوں کے باعث تنگ آچکے تھے۔ مدینہ کے یہودی جن کی منظم جماعت تھی، دونوں ہی قبیلوں پر ظلم و ستم روا رکھتے۔ جب ان چند لوگوں نے آنحضرتؐ کی دعوت کو قبول کرلیا تو انھوں نے کہا کہ جب ہم اپنے شہر واپس چلے جائیں گے تو ہم آپ کے دین کے بارے میں اپنے لوگوں سے بات کریں گے۔ ہمیں امید ہے کہ آپ کے درمیان میں آنے سے یہ دشمنی ختم ہو جائے گی۔ اگر آپ ہمارے درمیان اتحاد کا ذریعہ بن جائیں تو ہمارے نزدیک آپ کی بڑی قدر و منزلت ہوگی۔ ان چھ افراد نے آنحضرتؐ کی دعوت کو مدینہ میں لوگوں تک پہنچایا۔ آیندہ سال مدینہ کے بارہ افراد نے عقبہ نامی مقام پر آنحضرتؐ کے دست مبارک پر دین اسلام قبول کیا۔

بیعت کی شرط یہ تھی کہ خدا کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں۔ چوری نہ کریں۔ زنا سے بچیں۔ اپنے بچوں کو قتل نہ کریں۔ کسی پر تہمت نہ لگائیں۔ ہر اس اچھے کام کو انجام دیں لئے جن کے بارے میں آنحضرتؐ فرمائیں اور ہر وہ کام نہ کریں جسے آنحضرت منع کریں۔ آنحضرتؐ نے ایک شخص کو جن کا نام مصعب بن عمیر تھا، قرآن مجید کی تلاوت سکھانے کے لئے مدینہ بھیجا۔ اس سے اگلے سال قبیلہ خزرج کے بارہ سر بر آوردہ افراد نے عقبہ میں آنحضرتؐ کے دست مبارک پر بیعت کی اور یہ وعدہ کیا کہ آنحضرتؐ کی بالکل اسی طرح پاسداری کریں گے جیسے اپنے اہل و عیال کی کرتے ہیں۔ اس بیعت کے موقع پر عباس بن عبدالمطلب بھی موجود تھے۔ حضرت عباس نے مدینے کے لوگوں سے کہا:

"کیا تمہیں معلوم ہے کہ حضرت محمدؐ کا ہماری نظر میں کیا مقام و مرتبہ ہے؟ جہاں تک ممکن

ہو سکا ہم نے آپ کو دشمنوں کی گزند سے محفوظ رکھا ہے۔ وہ چاہتے ہیں کہ تم سب سے ربط و تعلق قایم کریں۔ کیا ہی اچھا ہو کہ تم بھی ان کی حمایت و پاسداری کرو۔ یہ بھی کہا کہ مناسب یہی ہے کہ آپ اسی جگہ ہماری قوم کے افراد کے درمیان عزت و حرمت کے ساتھ زندگی بسر کریں۔"

لوگوں نے عباس سے کہا کہ ہم نے تمہاری باتیں سن لی۔ اب رسول خداؐ آپ کچھ کلام کریں۔

آنحضرتؐ نے فرمایا: یہ عہد کرو کہ تم لوگ میری اپنے اہل وعیال کی طرح حمایت و پاسداری کرو گے۔ انھوں نے اس بات کو منظور کر لیا۔ انھوں نے آپ کے ہاتھ پر بیعت کی جو "بیعۃ النساء" کے نام سے مشہور ہے۔ عقبہ کی دوسری بیعت میں تہتر مردوں اور دو عورتوں نے رسول خداؐ کے دست مبارک پر بیعت کی جو "بیعۃ الحرب" کے نام سے معروف ہے۔ جب انھوں نے آنحضرتؐ کے دست مبارک پر بیعت کی اور یہ عہد کیا کہ وہ آپؐ کی مدد سے خدا کے دشمنوں کے خلاف جنگ و پیکار کریں گے تو آپ نے عقبہ کی دوسری بیعت کے بعد اپنے اصحاب کو مدینہ جانے کی اجازت دے دی۔

دار الندوہ میں سازش اور ہجرت:

اس سے قبل کہ مسلمان مدینہ کی جانب ہجرت کریں، قریش یہ سمجھتے تھے کہ مسلمان ہمیشہ ان کی دسترس میں رہیں گے اور وہ اپنے جور و ستم سے ان پر غالب آتے رہیں گے۔ وہ یہ بھی سمجھتے تھے کہ وہ کسی وقت بھی انھیں راستے سے ہٹا سکتے ہیں اور خطرے کو جڑ سے اکھاڑ کر پھینک سکتے ہیں۔ لیکن جب انھوں نے یہ دیکھا کہ مسلمانوں نے مدینے میں اپنے لئے پناہ گاہ بنالی ہے اور رسول خداؐ کے پیروکار مکہ سے نکل کر یثرب میں بہت زیادہ ہوگئے ہیں، تو وہ بھی خطرے کی اہمیت سے باخبر ہوگئے۔ چنانچہ وہ قصی بن کلاب کے گھر میں جمع ہوئے جہاں انھوں نے مجلس شوریٰ تشکیل کی۔

اس جلسے میں جو موضوع زیر بحث آیا وہ یہ تھا کہ حضرت محمدؐ کے ساتھ کس طرح کا رویہ اختیار کیا جائے؟ کسی نے کہ کہا انھیں لوہے کے پنجرے میں بند رکھا جائے۔ اس رائے کو کسی نے قبول نہ کیا کیوں کہ انھوں نے کہا کہ اول تو اس سلوک سے اس دعوت کو نہیں روکا جا سکتا جس کا اثر و رسوخ باہر ہو رہا ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ آپؐ کے پیروکار اٹھ کھڑے ہوں گے اور وہ ہم پر غالب آجائیں گے

اور انھیں نجات دلادیں گے۔

مورخین نے لکھا ہے کہ شیطان ایک نجدی ضعیف آدمی کی شکل میں وہاں اس مجلس میں موجود تھا۔ وہ جانتا تھا کہ مجلس کے اراکین پر اس رائے کا کتنا ضعیف اثر ہو گا۔ ایک تجویز یہ بھی پیش ہوئی کہ آنحضرتؐ کو شہر بدر کر دیا جائے۔ جب وہ شخص ہمارے درمیان ہی نہ ہو گا تو ہمارے بلا سے کچھ بھی ہوتا رہے۔

اس نجدی بوڑھے نے کہا کہ وہ شیریں زبانی سے عربوں کو اپنے دین کی دعوت دے رہا ہے اور وہ ان کی طاقت کے بل پر تم پر حملہ آور ہو گا۔

ابو جہل نے کہا کہ میری رائے یہ ہے کہ ہر قبیلے کا ایک چست و چابک دست جوان تیز تلوار اٹھائے اور محمدؐ کے سر پر جائے۔ اور سب مل کر ایک بار اپنی تلواروں سے حملہ کر دیں تاکہ وہ مارا جائے۔ اس طرح اس کا خون تمام قبائل پر بٹ جائے گا۔ تنہا عبد مناف تمام قبائل سے جنگ نہیں کر سکتے۔ چنانچہ ہم محمدؐ کا خوں بہا ان کو ادا کر دیں گے۔ یہ رائے پسند کی گئی۔

لیکن خداوند تعالیٰ نے اپنے پیغمبرؐ کو قریش کے ارادے سے مطلع کر دیا۔ آپؐ نے اس رات جب کفار آپؐ کے گھر پر حملہ کرنا چاہتے تھے، حضرت علیؑ کو اپنے بستر پر سلادیا اور خود ہجرت کر کے مدینہ تشریف لے گئے۔ رات کے وقت جب کفار آپ کے گھر پر پہنچے تو آپؐ کے بستر پر حضرت علیؑ کو سویا ہوا پایا۔ چنانچہ خداوند تعالیٰ نے پیغمبرؐ کو دشمنوں کے گزند سے نجات دی۔ کفر پر دین اسلام غالب آیا اور ہمیشہ ہمیشہ کے لئے قائم ہو گیا۔

☆☆☆